وَاَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی

انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جاوے گی، پھر اُس کو پورا پورا بدلہ دیا جاوے گا

آسان بیان القرآن

اور

اصل بیان القرآن

مولانا حکیم فخر الاسلام

مکتبہ ظفر اشرف- خانقاہ، دیوبند

۹۰۸۴۸۸۶۷۰۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[وضاحت]

جیسا کہ معلوم ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصنیف ''بیان القرآن'' ایک مستند تفسیر ہے۔ یوں کسی شخص کو اس کے کسی جزو یا کسی مسئلہ سے دلائل کی بنیاد پر اختلاف ہو، یہ اور بات ہے، یا کہیں کسی موقع پر مفسر تھانویؒ کو سہو و تسامح واقع ہو گیا ہو، تو اُس کی نشاندہی بھی ممکن ہے۔ لیکن ''ضروریات کو حاوی، زوائد سے خالی''، اصولِ صحیحہ کا اِجرا، مزاحم معاصر کلیات و عقلیات سے دفاع وغیرہ خوبیوں کی وجہ سے، اِس تفسیر کا اِستناد و اِعتبار ازمنۂ مستقبلہ کے لیے بھی قائم اور باقی محسوس ہوتا ہے۔ یہ وہ راز ہے جس کی بنا پر اِس کا نفع متعدی کرنے میں کبھی کوئی بے احتیاطی گوارا نہیں کی گئی۔ چناں چہ جن اہلِ بصیرت نے اِس کے جزو یا کل کو آسان اور قابلِ اِستفادہ بنانے میں سعی کی، مثلاً مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیع دیو بندیؒ وغیرہم نے، تو اِن حضرات نے ایک تو معانی و مفاہیم کی ترجمانی و تسہیل میں بہت احتیاط برتی، دوسرے حضرت تھانویؒ کے ذوق کی پوری رعایت رکھی۔ مگر آج کل اِس کی ایک تسہیل ''آسان بیان القرآن'' کے نام سے شائع ہوئی ہے جس میں دونوں باتوں کا فقدان ہے۔ آئندہ صفحات میں ''آسان بیان القرآن'' میں برتی گئی بے احتیاطیوں کے چند نمونے ذکر کر کے اِس جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ چوں کہ تسہیل کے نام پر کی گئی زیرِ نظر تفسیری کاوش کسی زاویہ سے معتبر نہیں ہے، اس لیے اگر کام درست نہ ہو، تو نسبتاً کسی برتر شخصیت کی ''نظرِ ثانی'' کا نام لگ جانا یا کسی ادارہ کی جانب اِنتساب ہونا کام کو صحیح نہیں بنا دیتا۔

فخر الاسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند ماہ قبل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر ''بیان القرآن'' کی تسہیل مسمی بہ ''آسان بیان القرآن'' جلد اول دیدہ زیب ٹائیٹل اور نظر ثانی کا متاثر کن نام دیکھ کر پڑھنے کا شوق ہوا۔ پڑھا اور مطالعہ شدہ حصہ (پارہ اول ابتدائی نصف) کے متعلق اپنے احساسات کو مفصل تحریری شکل میں قلم بند کر کے۔ صاحبِ نظر ثانی زید مجدہ کی خدمت میں۔ نظر گرامی سے گزر جانے کے مقصد سے۔ 'دستی' ذریعہ سے اِرسال کر دیا۔ چند روز کے بعد پانچ جلدوں پر مشتمل ''آسان بیان القرآن'' کا سیٹ دستیاب ہوا جو میری غیر موجودگی میں کوئی، گھر پر پہنچا گیا تھا۔ پھر دو ہی تین روز کے بعد ۱۸/۱ اکتوبر ۲۰۱۹ کو ایک فارغ التحصیل مولوی صاحب نے آ کر ملاقات کی اور بتایا کہ وہ جلدیں مفتی سعید احمد صاحب نے یہ کہہ کر بھیجی ہیں کہ ''اِنہیں بھی دیکھ لیں۔'' حسبِ ارشاد دیکھنا شروع کیا۔ اور ابھی جلد اول بعد از نصف پارہ اول تا آخرِ سورہ بقرہ اور دیگر جلدوں کے بعض بعض مقامات دیکھنے کا سلسلہ جاری تھا۔ کہ اِسی دوران ''ماہنامہ دار العلوم'' اکتوبر ۲۰۱۹ کی اشاعت میں ''آسان بیان القرآن'' پر تبصرہ نظر سے گزرا۔ اُس کو پڑھ کر کچھ خوشی نہ ہوئی؛ بلکہ یہ افسوس ہوا کہ تبصرہ میں اُس وصف سے تسہیل نگار کی اہمیت ظاہر کی گئی ہے کہ وہی درست معانی کی تفہیم میں رکاوٹ بنا ہے۔ تبصرہ نگار کے بعض الفاظ ملاحظہ ہوں:

''جناب مولانا عقیدت اللہ قاسمی زید مجدہ...... اِس (تسہیل نگاری کے کام: ف) کے لیے بڑے موزوں تھے۔ زبان و بیان کے شہہ سوار، رواں و دواں تعبیرات کے عادی؛ (۱۳۲۵) کی سو سال پرانی زبان کو آج کی رائج ٹکسالی زبان میں بدلنے کے ماہر؛ انھوں نے مدتوں صحافت کے ویرانوں کو آباد کیا، ادب کی سنگلاخ وادیوں کو دھوپ کی

تمازت میں طے کیا، ......غرض یہ کہ (بیان القرآن ’’کے دائرۂ اِفادہ کو کشادہ کرنے کے لیے‘‘: ف) تسہیل نگار نے اصل کو باقی رکھ کر عوامی بنانے کی پوری کوشش کی۔ پھر حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی کو پیش کیا۔......آپ نے تسہیل نگار کی مدد کی اور یہ ضروری بھی تھی کہ تسہیل نگار نے بہت سی جگہوں پر اپنی بے بسی کی نشاندہی کر رکھی تھی۔ منطق و فلسفہ کی اصطلاحات کا بھی عوامی ترجمہ کر رکھا تھا جو مناسب نہیں تھا۔ موصوف نے ہزار عوارض کے باوجود اِس مہم کو سر کیا، ایک ایک جملہ کو اصل سے ملایا؛ تاکہ تسہیل تحریف وتبدیل نہ ہو جائے۔ سینکڑوں صفحات کو از سرِ نو لکھا اور اپنی آخری درجہ کی کوشش کرڈالی۔ اب یہ قارئین کی بارگاہ میں پیش ہے، وہ اصل سے ملا کر فیصلہ کریں اور داد دیں۔ راقم حروف چوں کہ پنجم عربی میں ترجمہ پڑھاتا ہے؛ اس لیے بڑی دقتِ نظر سے دیکھتا ہے اور دونوں بزرگوں کے لیے دعائیں کرنے لگتا ہے۔‘‘

(مولانا اشتیاق احمد قاسمی: ماہ نامہ دارالعلوم،صفر المظفر ۱۴۴۱ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۹ئص ۵۴ تا ۵۶)

اِس تحریر کو پڑھنے کے بعد یہ عرض کیے بغیر رہا نہیں جاتا کہ ’’ادب کی سنگلاخ وادیوں کو دھوپ کی تمازت میں طے‘‘ کرنے کا وصف تسہیل نگار کے حق میں فی نفسہ واقعی سہی؛ مگر فن تفسیر میں اور تفسیر بیان القرآن کی تسہیل میں کچھ کارآمد نہیں؛ بلکہ مضر ہے۔ اِس حوالہ سے علامہ ابوالاعلی مودودی، مفسر عبدالماجد دریا بادی، مفکر خالد سیف اللہ رحمانی، جناب سلمان حسینی ندوی اور مولانا عبداللہ حسنی ندوی کی تفسیریں نمونۂ عبرت کے واسطے موجود ہیں، اس لیے کسی نئے تجربہ کے مفید ہونے کی توقع نہیں۔ اِس تبصرہ میں دو باتوں پر بہ طورِ خاص افسوس ہوا: ایک یہ کہ فاضل تبصرہ نگار نے یہ بتانے کی تو ضرورت محسوس نہیں کی کہ تسہیل نگار کی تفسیر فہمی اور گنجینۂ علوم وفنون ’بیان القرآن‘ سے مناسبت کی کیا کیفیت

ہے؟ اور ایک زائد بات - ادبی بیانِ مناقب - کی لے اتنی بلند کی کہ اسے جدید ادب کا اِنشائی شاہ کار کہا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اِسے بیان القرآن کے حل میں کیا دخل ہے؟ آسان بنانے کی ضرورت اگر ہے بھی تو حل کتاب کے بعد ہے۔ مضامین حل ہوئے بغیر جو کچھ ہوگا اُس کا عبرت ناک نمونہ زیرِ دست مجموعہ ''آسان بیان القرآن'' موجود ہے۔ دوسری، یہ کہ یارانِ نکتہ داں کو صلائے عام دی کہ ''اصل سے ملا کر فیصلہ کریں''؛ لیکن - گمان یہ ہوتا ہے کہ - اس کے معتمد ہونے کا فیصلہ، خود بغیر ملائے ہی صادر فرما دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ تسہیل کے نام پر اصل بیان القرآن میں تصرفات بہت کر دیے گئے ہیں۔ اِن تصرفات سے معانی و مرادات میں اِس قدر کثیر اور شدید تبدیلیاں ہوگئیں کہ کسی جزو کی بھی نشاندہی کر کے یہ بتا پانا مشکل ہے کہ یہ حصہ درست اور حکیم الامتؒ کی مراد و منشا کی ترجمانی ہے۔ تبدیلیوں کی نوعیت یہ ہے کہ بعض جگہ لاپرواہی جھلکتی ہے، بعض جگہ زیرِ گفتگو فن کی ضروری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے، تجددپسندوں کے اُن محاوروں سے اثر پذیری ہے جن میں تلبیسی وصف یعنی قلبِ حقائق اور ایہامِ باطل پایا جاتا ہے۔ بہ کثرت جگہوں پر مفسر تھانویؒ کی اِصطلاحات سے مانوس نہ ہونے کے ساتھ اُس شعور اور فہم و ذوق کی بھی کمی محسوس ہوئی جو بیان القرآن جیسی تفسیر کی تسہیل کے لیے درکار تھا۔

یہ وہ محرک ہے جس کے تحت عرض کرنا ضروری محسوس ہوا کہ ''آسان بیان القرآن'' کی اشاعت بہ ہیئتِ کذائی لوگوں کے لیے غلط فہمی کا باعث بن رہی ہے۔ ماہنامہ دار العلوم کا مذکورہ تبصرہ اِس پر شاہد عدل ہے۔ اور نہ صرف یہ؛ بلکہ تسہیل نگار پر بے جا اعتماد و اعانت، مغالطہ آمیز تائیدِ بزرگاں و اِنتسابِ ادارہ پر مبنی - پرنٹ میڈیا، الیکٹرانک میڈیا اور ڈجیٹل ذرائعِ اِبلاغ میں گردش کرتا ہوا - تبصرہ بھی۔ اِقتباسِ ذیل ملاحظہ ہو:

’’بیان القرآن کی تسہیل (کا۔ف)...... کارنامہ کوئی ایسا ممتاز عالمِ دین انجام دے سکتا تھا جو بھرپور علمی صلاحیت، تفسیر قرآن میں مہارت اور تصنیف و تالیف کے میدان میں طویل تجربہ رکھنے کے ساتھ حضرت تھانویؒ کے مزاج سے واقفیت بھی رکھتا ہو۔ بالآخر یہ کام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اُس مرکز کی سرپرستی میں انجام پذیر ہوا جہاں سے خود حضرت تھانویؒ نے فیض حاصل کیا تھا۔...... چناں چہ دارالعلوم دیوبند کے ایک تجربہ کار اور پرانے فاضل حضرت مولانا عقیدت اللہ قاسمی صاحب نے ’’بیان القرآن‘‘ کی تسہیل فرمائی اور پھر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم و اُستاذِ حدیث حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب کے مشورہ سے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (شیخ الحدیث و صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند) نے اس پر نظرِ ثانی فرمائی۔ اس کے بعد واضح اور جلی حروف میں مکتبہ حجاز دیوبند سے شائع فرمادیا اور اُن کی اجازت سے...... مکتبہ غزنوی...... نے مفتی عبدالرؤف غزنوی صاحب (سابق استاذ دارالعلوم دیوبند اور حال استاذ حدیث جامعہ بنوری ٹاؤن) کے ایک مفید مقدمہ کے ساتھ اسے شائع کردیا۔ تفسیر تو حضرت تھانویؒ کی اور اُس کی تسہیل دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں کی گئی ہو اور نظر ثانی شیخ الحدیث و صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند نے فرمائی ہو، تو اس تفسیر کی اہمیت و افادیت و نورانیت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے‘‘۔ (ملاحظہ ہو: دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں آسان بیان القرآن کی اشاعت)

راقم الحروف نے صاحبِ نظر ثانی زید مجدہ کو لکھا تھا کہ: ’’آں جناب کی جانب سے تسہیل شدہ مجموعہ کی ’نظر ثانی‘‘، تعارفی تحریر، بعض مقامات پر حواشی، متن کے بعض بعض سطور کی تشریح و اِستدراک، اِن تبصروں کی بنیاد ہیں۔ کیوں کہ اِن تبصروں کی حیثیت مصادرہ علی المطلوب سے زیادہ نہیں۔ ’’آسان بیان القرآن‘‘ کی جن سطور و اِقتباسات کو دیکھ کر اور کچھ جزئی اِستدراک سے، آں جناب نے مجموعہ کی صحت پر (زبانی یا تحریری) مہر ثبت فرمائی ہے، مطالعہ کرنے والے اِن تائید، تصحیح اور نظر ثانی شدہ الفاظ و سطور کو اُن اجزاء

سے علیحدہ نہ کر پائیں گے جو تسہیل نگار کے نیچریت زدہ لبس وخلط کے عادی قلم سے صادر ہوئے ہیں، ''کلاسیکل ادب'' کی ظلمت میں آلودہ ہیں اور بیان القرآن کی تسہیل کا نام اختیار کر گئے ہیں۔ اِس بنا پر یہ ناچیز علمی و دینی مداہنت سے بچنے کے لیے یہ مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہے کہ: آن بدولت کی تائید یا خاموشی لوگوں کے لیے صحت وسقم کی تمیز میں نہ صرف سدِّ راہ ہورہی ہے؛ بلکہ نتیجہ یہ ہے کہ سرورق پر آپ کے نام کی شمولیت فاسد تحریروں کے حق میں بھی سند اور ڈھال بن رہی ہے۔ لہٰذا راقم سطور کی رائے میں آں محترم کی طرف سے برأت کا اِظہار ہونا چاہیے اور ''آسان بیان القرآن'' کی اشاعت پر روک لگنی چاہیے۔ واللہ الموفق والحق احق ان یتبع و یقال۔''

خیال یہ ہوتا ہے کہ فقہ کے اصول، علم کلام کے اصول، عقل کے صحیح اصول، تفسیر کے اصول نیز تفسیر سے شغف کے ساتھ حضرت تھانویؒ کے علوم پر نظر، بیان القرآن کے اُسلوب کی فہم، مفسر تھانویؒ کے ذریعہ اختیار کیے گئے معیارات کی قدر اور اِجتناب برتے گئے تحفظات کا درک رکھنے والا شخص بیان القرآن کے حوالہ سے جو کچھ بیان کرتا، اُس پر اعتماد کیا جاتا۔ لیکن تفسیر اور صاحبِ تفسیر کے ذوق سے مناسبت نہ رکھنے والے کی کاوش سنگین غلطیوں تک منتج ہوسکتی ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس کا اندازہ مذکورہ بالا دونوں تبصروں میں ''آسان بیان القرآن'' کا بنائے اعتبار قرار دی گئی چار باتوں سے کیا جاسکتا ہے: ۱-تسہیل نگار حضرت تھانویؒ کے مزاج (وذوق: ف) سے واقفیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ ۲- اصل کو باقی رکھا گیا ہے یا نہیں؟ ۳- اصطلاحات کو عوامی ترجمہ سے بچایا گیا ہے یا نہیں؟ ۴- ''تسہیل تحریف وتبدیل'' ہوئی ہے یا نہیں؟ تبصرۂ اِشتیاق میں اِس کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ ''قارئین اصل سے ملا کر فیصلہ کریں''۔

فخر الاسلام: ۱۲/۲/۲۰۲۰ سہ شنبہ

نظر ثانی: ۸/ رمضان ۱۴۴۱ھ = یکم مئی ۲۰۲۰ء۔

آسان بیان القرآن

اور

اصل بیان القرآن

[اِس تحریر میں آسان بیان القرآن کو اصل بیان القرآن سے ملا کر دیکھا گیا ہے جس کے لیے چار معیار مقرر کیے گئے ہیں:
۱-تسہیل نگار: حضرت تھانویؒ کے مزاج و ذوق سے واقفیت رکھتے ہیں یا نہیں؟ ۲-اصل کو: باقی رکھا گیا ہے یا نہیں؟
۳-اصطلاحات کو: عوامی ترجمہ سے بچایا گیا ہے یا نہیں؟ ۴-تسہیل: تحریف و تبدیل ہوئی ہے یا نہیں؟]

مولانا حکیم فخر الاسلام

مکتبہ ظفر اشرف - خانقاہ، دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ النبی الامین واصحابہ اجمعین۔

ذیل میں تسہیل بیان القرآن کی چند مثالیں (اصل سے ملا کر) پیش کی جارہی ہیں۔ اِن مثالوں میں ''بیان القرآن'' و''آسان بیان القرآن'' کے الفاظ ذکر کرنے کے ساتھ راقم کی جانب سے تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ حوالہ صرف ثانی الذکر کا دیا گیا ہے، اُس کی مدد سے اول الذکر کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ عموماً حوالے جلد اول سے ماخوذ ہیں۔ جہاں کسی اور جلد سے اخذ کیا گیا ہے، وہاں اُس جلد کا نمبر ڈال دیا گیا ہے۔ الف= اشرف، ع=عقیدت، ف=فخر، کے اشارات اور عرضِ راقم کے ذریعہ اِستدراکات کے ساتھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

ا-حضرت تھانویؒ کے مزاج وذوق سے واقفیت ومناسبت ہے یا نہیں؟

ا-الف- ''غیرِ اسلام پر مرجائیں''۔ **ع-** ''غیر اسلامی حالت میں مرجائیں''

(آسان بیان القرآن جلد اول: ص ۱۷۰، سطر ۷)

عرض راقم- کیا ''غیرِ اسلام'' اور ''غیر اسلامی حالت'' باہم مترادف ہیں؟

۲-الف- ''رسول اللہ ﷺ کی رسالت جو عقائدِ قطعیہ سے ہے''۔ **ع-** ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت...... جس کے عقائد قطعی ہیں۔'' (ایضاً: ص ۱۴۲، سطر ۱۷)

عرض راقم- تسہیل نگار کی تعبیر کا اِہمال ظاہر ہے۔

۳-الف- ''اگر محمد ﷺ وہی نبی موعود آخر الزمان ہوتے''، **ع-** ''اگر محمد ﷺ وہی نبی ہوتے جن کے آخری زمانہ میں ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔''

عرض راقم- ''موعود'' وعدہ شدہ کو کہتے ہیں، دعوی کو نہیں کہتے۔

۴-الف-''ذرا بھی......گناہ نہیں''۔ع-''اس پر بھی......گناہ نہیں''

عرض راقم-لائے نفی جنس کے ترجمہ کو بدل دینا درست نہیں۔:لفظ 'ذرا بھی' کی اہمیت کے لیے ملاحظہ ہو ملحقات الترجمۃ۔

۵-الف-''اب ہم اِس کے خلاف کا اول دعوی کرتے ہیں کہ''۔**ع**-''اب ہم اِس کے خلاف پہلے یہ دعوی کرتے ہیں کہ'' (ایضاً:ص۱۲۵:آخری سطر)

عرض راقم-مضمون یہ ہے کہ پہلے دعوی کرتے ہیں، پھر دلیل دیں گے۔ ''اول'' کا مترادف ''پہلے'' ہے، نہ کہ: ''پہلے یہ''۔اِس تصرف سے مضمون اِس طرح ہو گیا کہ ایک دعوی یہ ہے، پھر دوسرا کوئی اور دعوی ہوگا۔حالاں کہ مقصودِ مقام یہ نہیں ہے۔

٦-الف-''نصاری اُن کے فعل پر اِنکار نہیں کرتے تھے''۔**ع**:''نصاری اُن کے افعال سے اِنکار نہیں کرتے تھے۔'' (ایضاً:۲۲۷)

عرض راقم-مطلب یہ ہے کہ اُن کے نصرانی نہ ہونے کے باوجود نصاری اُن کے اِس ویرانی مسجد کے فعل پر نکیر نہ کرتے تھے۔ایسی صورت میں ''فعل'' (جو کہ مفرد ہے) کی جگہ ''افعال'' (صیغہ جمع) استعمال کرنا، مرادِ متکلم سے تجاوز ہے۔تسہیل وتفہیم اِیضاحِ مراد کے لیے ہوتی ہے، نہ کہ تبدیلی مراد کے لیے۔

۷-الف-''علی سبیلِ منع الخلو''۔ **عرض راقم**:وَ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کے ترجمہ تفسیری میں یہ مضمون آسان زبان میں درست طریقہ سے ذکر کیا گیا ہے(ملاحظہ ہو:پارہ ۲۸،آسان بیان القرآن جلد پنجم ص۲۹۲:سطر۷) جب کہ سورہ بقرہ میں بگاڑ دیا گیا۔اِس کا ذکر معیار نمبر۳ کے تحت آرہا ہے۔یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک ہی اصطلاح کے دو موقعوں پر استعمال سے مفسر تھانویؒ نے معنی اور مفہوم ایک ہی مراد لیا ہے؛ لیکن تسہیل نگار کے یہاں ایک موقع پر درست معنی، دوسرے موقع پر اِلتباس زدہ غلط معنی وغلط تفسیر ظاہر ہوئی۔

۸-الف- ''عجلاً جسداً'': ایک بچھڑا......ایک قالب''۔

عرض راقم-گو سالہ سامری کے لیے قرآن نے سورہ بقرہ میں صرف ''عجل'' استعمال کیا ہے اور سورہ طٰہٰ میں ''عجلاً جسداً''۔ استعمال کیا ہے۔مفسر تھانویؒ نے 'جسد' کا ترجمہ ''قالب'' کیا ہے۔اور سورہ بقرہ میں فائدہ تفسیری کے تحت بھی ''قالب'' لکھا ہے۔ تسہیل نگار نے سورہ طٰہٰ میں: ''ڈھانچہ'' اور سورہ بقرہ میں ''شکل'' لکھ دیا۔

(آسان بیان القرآن جلد سوم ص ۳۴۸: آخری سطر، جلد اول ص ۷۷: سطر ۶ بالترتیب)

جو لوگ اضافیات اور انتزاعیات کے مضامین سمجھتے ہیں، اچھی طرح اِس بات کو محسوس کریں گے کہ جسد کے لیے ''قالب'' مناسب ہے اور ''قالب'' کے لیے ''ڈھانچہ'' بھی نبھ سکتا ہے؛ لیکن ''جسد'' اور ''قالب'' کو ''شکل'' نہیں کہہ سکتے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفسر تھانویؒ کو جہاں ''شکل'' لکھنے سے اِجتناب ہے، وہیں تسہیل نگار ''قالب'' اور ''شکل'' کے فرق سے بے فکر ہیں۔

۹-الف- ''کسی نے موافقت کی اور کسی نے مخالفت''۔ع- ''کسی نے اتفاق کیا اور کسی نے اختلاف'' (آسان بیان القرآن جلد اول ص ۲۵۸، سطر ۹، ۱۰)۔

عرض راقم-کیا مخالفت'' اور ''اختلاف'' باہم مترادف ہیں؟ اصل میں یہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ دورِ حاضر کے ادب کا یہ خاصہ ہے کہ اِظہارِ باطل کے لیے استعمال کی جانے والی تعبیرات کو نرم بنا کر پیش کیا جائے تا کہ باطل کے لیے ڈائیلاگ (کچھ دو، کچھ لو) کی گنجائش رکھی جائے اور فکری اِلتباس کی راہ ہموار رہے۔

۱۰-الف- ''توجیہ مثال کی تقریر ترجمہ سے ظاہر ہے''۔ع- ''مثال کی توجیہ کی تقریر ترجمہ سے ظاہر ہے۔'' (ایضاً ص ۲۷۱، سطر: ۱۴)۔**عرض راقم**-مضمون مہمل ہو گیا۔عبارت کا مطلب یہ ہے: مثال کی توجیہ ترجمہ کی تقریر سے ظاہر ہے (نہ کہ ترجمہ سے)۔

۱۱-الف- ''کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) اِمکان نہیں رکھتے'' ع- ''کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عام حالات میں) اِمکان نہیں رکھتے''۔

(ایضاً ص ۲۸۰، سطر: ۱۴)۔

عرض راقم- 'یہاں عام طور پر یا عام حالات میں بتانا مقصود نہیں ہے کہ عام حالات میں تو نہیں چلتے خاص حالات میں چلنے لگتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ چلتے ہی نہیں، عملی اِمکان مفقود ہے۔ ''یعنی عقلاً تو اِمکان ہے'': دیکھیے حاشیہ ۲ ص ۱۶۵: بیان القرآن: ''ان المراد نفی الاِستطاعۃ العادیۃ لا العقلیۃ ''۔لہذا ''عام حالات میں '' کے ذریعہ تسہیل درست نہیں۔

۱۲-الف- ''کہ گو اور کفار کی طرح اُن خاص''۔ (ملا حظہ ہو: آسان بیان القرآن ص ۹۷ سطر ۱۳، ایضاً سطر ۱۵)۔ **عرض راقم -** اِس عبارت کو ہٹا دینا اور اِس کے ہم معنی الفاظ بھی ذکر نہ کرنا، بڑی بھول ہے۔ کیوں کہ اِن الفاظ کی قیود میں حنفیہ کے مسلک کا لحاظ ہے۔

۱۳- نیز ''متخیلہ'' کا مترادف ''دل و دماغ'' کو بتانا۔

(ایضاً ص ۱۶۴ سطر ۲۰)

یہ مثالیں عدمِ مناسبت اور بے ذوقی بتانے کے لیے کافی ہیں۔

۲- اصل کو باقی رکھا گیا ہے یا نہیں؟

یوں تو معیار نمبر ا کی مثالیں اِس کا جواب ہیں؛ لیکن چند مثالیں اِس کے لیے بھی:

۱- الف- ''بہ وجہِ جامعیت اور اِنطباق کے''۔ **ع:** ''جامعیت اور مطابقت کی وجہ سے''۔

(ایضاً ص ۱۳۵: سطر ۱۴)

عرض راقم۔'اِنطباق' کا مترادف 'مطابقت' نہیں ہے۔ اِنطباق' کسی کلی کا جزئی میں ہوتا ہے۔ اور کسی جزئی کا جزئی کے ساتھ مماثل ہونا 'مطابقت' کہلاتا ہے۔ مفسر تھانویؒ کا مطلوب اول ہے نہ کہ ثانی۔

۲۔ الف۔''جب دلائلِ عقلیہ برہانیہ''۔ **ع**۔''جب دلائل'' (ایضاً ص ۱۴۲، سطر ۳۳)

عرض راقم۔'دلائلِ عقلیہ برہانیہ' کا مطلب ہے 'قطعی دلائل'۔ جدلی وشعری دلائل بھی دلائل کہہ دیے جاتے ہیں؛ لیکن وہ برہانی نہیں ہوتے۔ جب یہاں ''برہانیہ'' کی قید مفسر نے لگائی ہے، تو اُسے ہٹانے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

۳۔ الف۔''اگر احکام کی حکمت بتلائی جائے، تب بھی نہ سمجھیں''۔ **ع**۔''اگر احکام کی علت بتائی جائے، تب بھی نہ سمجھیں۔''

عرض راقم۔ کیا 'حکمت' اور 'علت' دونوں ایک ہی ہیں؟ 'حکمت' مرتب علی الحکم ہوا کرتی ہے۔ جب کہ 'علت' ما یترتب علیہ الحکم کو کہتے ہیں۔

۴۔ الف۔''بےعنوانیوں''۔ **ع**۔''بدعنوانیوں'' (ایضاً ص ۱۳۶، سطر ۸)

عرض راقم۔ اردو محاورہ میں ''بدعنوانیوں'' اور ''بےعنوانیوں'' کے مواقع استعمال الگ الگ ہیں۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ چناں چہ بیان القرآن کی اگلی ہی سطر میں جس واقعہ کا حوالہ ہے، اُسے ''بےعنوانی'' تو کہہ سکتے ہیں؛ لیکن بدعنوانی کیوں کر کہہ سکتے ہیں؟

۵۔ الف۔''انسان پر ایسا زمانہ تو گزرتا ہے جس میں اُس کو اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ جیسا بالکل بےہوشی کی عمر''۔ **ع**۔''کبھی کبھی انسان پر ایسا زمانہ بھی گزرتا ہے جس میں اُسے اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ جیسا بالکل بےہوشی کی عمر''۔

(ص ۱۶۰، سطر ۸)

عرض راقم۔ ''بالکل بے ہوشی کی عمر'' سے مراد ہوش سنبھالنے سے پہلے سن طفولیت کا زمانہ ہے اور یہ ''کبھی کبھی'' نہیں؛ بلکہ ہر انسان پر زندگی کے ایک مقرر حصہ میں ایسا ہی عرصہ گزرتا ہے۔

۶- **الف**- ''اور حضرت یحی وزکریا علیہم السلام کو قتل بھی کیا''۔ **ع**- ''اور حضرت یحی وزکریا علیہم السلام کو بھی قتل کیا۔'' (ایضاً: ص۱۰۳: سطر ۲۰)۔

عرض راقم- لفظ ''بھی'' کو مقدم کر دینے سے اصل مضمون بدل گیا۔

۷- **الف**- ''اور شرعاً یہ ایمان نہیں جس کے معنی کل امور وارد فی الشرع کا یقین کرنا ہے''۔ **ع**- ''اور شرعاً یہ ایمان نہیں کیوں کہ اِس کا مطلب شریعت میں وارد تمام امور کا یقین کرنا ہے'' (ایضاً: ص۱۰۴: سطر ۱۰)۔

عرض راقم- تعبیر بدل دینے سے اِلتباس پیدا ہو گیا۔ کیوں کہ متبادر تسہیل نگار کی تعبیر میں ''اِس'' کا مرجع ''یہ'' ہے۔ اور ''یہ'' کا مرجع یہود کا تھوڑا سا ایمان۔ گویا آگے آنے والا فقرہ یہود کے ایمان کی تشریح ہوئی، حالاں کہ وہ وضاحت ہے شرعی ایمان کی۔ خیال فرمایئے! مضمون کس قدر غلط ہو گیا۔

۸- **الف**- ''خلافِ اذنِ شرعی......اور کسی غرضِ ناجائز میں''۔ **ع**- ''شرعی حکم کے خلاف......یا کسی اور ناجائز مقصد کے تحت۔'' (ایضاً: ص۱۲۰: سطر ۵)

عرض راقم- پہلے فقرہ میں ''شرعی حکم کے خلاف'' مراد نہیں ہے؛ بلکہ شرعی اجازت کے خلاف مراد ہے۔ ''شرعی حکم کے خلاف'' مضمون دوسرے فقرہ سے ماخوذ ہوتا ہے۔ دونوں فقروں میں دو مستقل شقیں مذکور ہیں۔ نہ تو دونوں مترادف ہیں اور نہ ایک، دوسرے کی تفسیر ہے۔

۹-الف- ''اُس کے قلب میں بلا اختیار یہ بات پڑگئی کہ خدا ضرور ہے اور یہ شخص پیغمبر ہے''۔ع۔ ''اُس کے دل میں یہ بات تو بہر حال موجود تھی ......وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ یہ شخص پیغمبر ہے'' (ص ۲۶۴، سطر: ۷، ۸)

عرض راقم- مضمون کی حقیقت اور بلاغت دونوں ضائع ہوگئی۔

۱۰-الف- ''خواہ اِخلاص اعلیٰ درجہ کا ہو یا اوسط یا ادنی درجہ کا ہو، نفس قبول و تضاعف کے لیے ہر حال میں کافی ہے''۔ع- ''خواہ اِخلاص اعلیٰ درجہ کا ہو یا اوسط درجہ کا یا ادنی درجہ کا، اضافہ کے لیے نفس قبول ہر حال میں کافی ہے''۔ (ایضاً ص ۲۷۱، سطر: ۱۴)

عرض راقم- معنی برباد ہوگئے، مضمون مہمل ہوگیا۔

۱۱-الف- ''آیت میں دونوں طرح کے خطاب الخ۔'' ع- ''آیت میں (صحابہ کرام اور رسولِ اکرم) دونوں کو خطاب''۔ (ایضاً ص ۲۷۹، سطر: ۵)

عرض راقم- '' آیت میں دونوں طرح کے خطاب کر کے'' کا مطلب یہ ہے کہ ایمان وہدایت کی تدبیر کی موثریت اور اِنفاق کی غرض، دونوں حیثیت سے خطاب۔

۱۲-الف- ''یہ محض تقویتِ مشبہ بہ کے لیے ہے''۔ع- ''یہ محض شبہ کی تقویت کے لیے ہے''۔ (ص ۲۷۱، سطر: ۱۴)۔

عرض راقم- مضمون مہمل ہوگیا۔

۱۳-الف- ''مومنین من حیث الایمان''۔ع: ''ایسا ایمان رکھتے تھے جیسا ایمان رکھنے کا حق ہے'' (ایضاً ۳۱۷، سطر ۷)

عرض راقم- اِس تسہیل پر اناللہ ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ پھر یہ تسہیل آگے (اگلے ہی فقرہ میں) آنے والی تفریع سے یا تو متعارض ہے یا اُس پر چست نہیں۔

۱۴-**الف**-''دور ہی سے تیر یا اور کسی تیز ہتھیار سے''۔ع-''دور ہی سے تیر یا کسی دوسرے ہتھیار سے''

(ایضاً ۱۷۸، سطر ۲۱)

عرض راقم-خیال کیجیے! ''تیز'' کی جگہ ''دوسرے'' لکھ دینے سے یہ مضمون کیا کسی طرح صحیح ہوسکتا ہے اور کیا یہ مسئلہ درست ہے؟

تبدیل کے نمونے اثنائے ترجمہ میں:

۱۵-**الف**-''احقر نے جو لزوماً یا سہولۃً اثنائے ترجمہ میں لکھ دیا ہے''۔ع:''احقر نے جو لازمی طور پر یا سہولت کے طور پر کی نشاندہی کر دی ہے''۔

(ایضاً ص ۱۹۵: سطر ۵ تا ۷)

عرضِ راقم-تسہیل نگار کی اِس ''نشاندہی'' کو کوئی متن میں نہیں ڈھونڈ سکتا۔ کیوں کہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کہاں نشاندہی کی ہے۔ پھر بالائے ستم یہ کہ مفسر تھانویؒ کے الفاظ بھی تبدیل کر دیے۔

۱۶-**الف**-''اور اختیاری غیر اختیاری جو اثنائے ترجمہ میں واقع ہوا ہے''۔ع: ''اور اختیاری و غیر اختیاری جو ترجمہ میں واقع ہوا ہے''۔

(ایضاً ص ۱۹۵: سطر ۵ تا ۷)

عرض راقم-ترجمہ میں واقع نہیں ہوا ہے۔ اِس پر تبصرہ آگے آ رہا ہے۔

۱۷: **الف**-''احقر نے جو نفس وجوب کہا ہے''۔**ع**-''احقر نے جو واجب ہونے میں'' کا فقرہ لکھا ہے''۔

(ایضاً ص ۲۳۱: سطر ۱۶)

عرض راقم متعلق ترجمہ، اثنائے ترجمہ (ترجمہ تفسیری)، فائدہ تفسیری

اصل بات یہ ہے کہ مفسر تھانویؒ نے تقریباً ایک صفحہ پہلے 'اثنائے ترجمہ' میں عورتوں اور مردوں کے حقوق کی برابری بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ، یہ برابری: ''نفس وجوب میں'' ہے۔ لیکن ایک تو ویسے ہی ایک صفحہ پیشتر کی جانب رجوع کرنا اور ذہن کا متوجہ ہونا مشکل ! پھر جب الفاظ بھی بدل دیے گئے، تو قاری کس طرح رجوع کرے گا اور' کہاں دیکھے گا؟

خود کردہ گناہ را علاجے نیست: صورت حال یہ ہے کہ بیان القرآن کو سمجھنے، سمجھانے اور آسان بنا کر پیش کرنے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ پہلے اُس کے منہج کو سمجھ لیا جائے۔ حکیم الامت کا اُسلوبِ تحریر اور منہجِ تفسیر یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے آیتوں کا-حتی الامکان- لفظی ترجمہ کرتے ہیں، پھر دوبارہ ترجمہ لکھ کر توضیحِ مراد کے لیے قوسینی اضافات کرتے ہیں۔ اِسی توضیحِ مراد والے ترجمہ تفسیری کا حوالہ ''اثنائے ترجمہ'' کے نام سے دیا جاتا ہے۔ اِس کے بعد ترجمہ تفسیری سے مستنبط افادہ: 'ف' کے عنوان کے تحت بیان کیا جاتا ہے جسے فوائد تفسیری بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ خود تفسیر نہیں ہوتے؛ بلکہ تفسیر پر مبنی تحقیقات، احکام اور اہلِ باطل کے تمسکات کے جوابات وغیرہ ہوتے ہیں۔ پھر اِن تینوں (۱: ترجمہ۔ ۲: ترجمہ تفسیری۔ ۳: فوائدِ تفسیری) سے متعلق ملحقات الترجمہ ہوتا ہے جس میں ضروری تنبیہ جو فہمِ معانی کے لیے لازم ہو، مفید توجیہ جس سے اختیار کیے گئے لفظ اور فقرہ کی اہمیت وخصوصیت واضح ہو، تاکہ اُس کے تحفظ کی طرف توجہ اور تصرف سے اِجتناب کو لازم پکڑا جائے، ازالۂ خلجان، یا اصول کی وضاحت، فن کی تحقیق اور حقائق کا بیان ہوتا ہے۔ لیکن زیرِ دست مجموعہ (''آسان بیان القرآن'') میں سات امور ایسے پیش آئے جو آسانی میں رکاوٹ بنے اور مضمون مشکل سے مشکل تر اور ناقابلِ عبور بن گیا:

۱- تسہیل نگار نے ایک طرف تو خود اپنے اوپر بھی ملحقات الترجمہ سے فائدہ اُٹھانے پر پابندی عائد کرلی ہے، حتیٰ کہ اُنھیں حلِ مطالب میں مفسر ہی کی تحریر و تحقیق سے مدد لینا منظور نہیں۔ ۲- دوسری طرف موصوف ترجمہ تفسیری اور فائدۂ تفسیری کے فرق و فصل کو اپنے اُسلوبِ نگارش میں منہدم کر چکے۔ ۳- تیسرے یہ کہ توضیح مراد والی قوسینی عبارتیں یعنی ترجمہ تفسیری - کہ مفسر تھانویؒ کی جانب سے ''اثنائے ترجمہ'' یا ''ترجمہ'' کے نام سے اِسی کا حوالہ دیا جاتا ہے اِس حصہ - کو تسہیل نگار دیگر عبارات کے ساتھ مخلوط کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ ۴- چوتھے یہ کہ وہ اِفادات جو تفسیر نہیں تھے، تفسیر پر مبنی فوائد تھے، اُنھیں بھی تفسیر ہی کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ ۵- پانچویں یہ کہ جس گفتگو میں حکیم الامت (توضیح ترجمہ کے لیے) 'ترجمہ' اور 'اثنائے ترجمہ' کے الفاظ لکھ رہے ہیں، اُس کی نوعیت بیان القرآن میں تو متعین ہے؛ لیکن - امر دوم و چہارم کے نتیجہ میں ''آسان بیان القرآن'' میں اُسے نہیں ڈھونڈا جا سکتا۔ ۶- چھٹے: جن الفاظ و عبارت کو مفسر کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے، وہ اکثر تبدیل شدہ ہیں، حضرت کے ہیں ہی نہیں۔ ۷- ساتویں یہ کہ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ تسہیل نگار کی ترجمانی مفسر کے معنیٰ و مراد سے ہٹی ہوئی ہوتی ہے۔

یہ وجوہ سبعہ ہیں جنھوں نے قاری کی مشقت دور کرنے کے بجائے اُس کے 'ہم' و 'حزن'، اِضطراب و تشویش میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور تفسیر کے حق میں نقصانات یہ ہوئے کہ جو الفاظ، قیود ات اور عبارتیں اہمیت کی حامل تھیں، وہ عامیانہ محاوروں، گھال میل کی عادت اور تصرفات کی تعدی کی نظر ہو گئیں۔ مفسر تھانویؒ کے اِنتخابِ الفاظ، عبارت کی ہیئتِ ترکیب، یعنی جملوں کی ساخت اور الفاظ کی بندش، نیز اِلتزامات کی نگہہ داشت کے ذریعہ ''اہلِ باطل کے تمسکات کا جواب'' جو بیان القرآن کا مہتم بالشان مقصود ہے اور جس کے لیے اصل کی حفاظت ضروری ہے، تسہیل نگاری میں یہ چیز ہوا میں اُڑ گئی۔

نوٹ- مطالعہ کرنے سے محسوس ہوا کہ جس قسم کے تصرفات عمل میں لائے گئے ہیں اور خود الفاظ میں جس انداز سے نقص وترمیم کو روا رکھا گیا ہے، اس سے- مجموعہ کا نام بھی متکلم فیہ ٹھہرتا ہے اور خیال میں یہ بات آتی ہے کہ اِس کا نام ''تلخیص وتسہیل'' رکھنا چاہیے تھا (اگر چہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے تلخیص بھی نہیں ہوسکی؛ بلکہ- جیسا کہ مذکور ہوا کہ- اِس میں بہ کثرت مغالطات راہ پاگئے ہیں؛ لیکن یہ کام کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کی گفتگو ہے)۔ نام معنون پر منطبق نہیں ہے، اس کے لیے: بہ طورِ مثال ملاحظہ ہو ص ۱۳۱ پر مندرج یہ عبارت: ''میں نے پورا فائدہ حذف کیا ہے، اہلِ علم اصل بیان القرآن میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں ۱۲، سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری''۔ (ایضاً ص ۲۸۴، آخری پیراگراف)

یہاں 'حذف' کا اِظہار کر دیا گیا اور سورۂ بقرہ کے ختم کے موقع سے مضمون ''رفع البناء فی نفع السماء'' کا حذف بلا اِظہار ہے۔ اِس طریقہ سے یہ خرابیاں پیدا ہوئیں:

۱- ایک طرف تو بے اصولی اور بے احتیاطی کو راہ ملی؛ کیوں کہ اِس امر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ص ۱۳۱ کے موقع پر تو خود مفسر تھانوی نے یہ لکھ دیا ہے کہ: ''مجھ کو اِس خاص طرز پر طالب علمانہ تحریر میں بہ وجہ ضرورتِ تفہیم فلسفی مزاج صاحبوں کے معذور فرماویں۔'' اس لیے یہ مسلم کہ یہ مقام مشکل ہے۔ لیکن مفسر کی صراحت کے ساتھ- مقام کے مشکل ہونے- کے باوجود بہ غرض اِستناد اصل متن کی حفاظت ضروری تھی۔ لیکن ''رفع البناء فی نفع السماء'' کا مضمون تو ایسا مشکل بھی نہیں؛ بلکہ مفید عام مضمون ہے اور ص ۱۱ پر اس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ اور مفسر نے اسے تفسیر کا ضمیمہ اور لاحقہ بنا کر پیش کیا ہے۔

یہاں یہ ذکر بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ مجلّہ ماہ نامہ دار العلوم کے تبصرہ نگار نے 'ملحقات الترجمہ' سے تعرض نہ کرنے کو ''وجوہ المثانی'' اور ''مسائل السلوک'' پر قیاس کیا

ہے، مگر قیاس درست نہیں۔ کیوں کہ اُن سے بے نیازی 'ملحقات الترجمہ' سے بے نیازی کو لازم نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ 'ملحقات الترجمہ حلِ مطالب میں معین اور تسہیل کے لیے معاون ہیں۔ بر خلاف اِس کے مذکورہ دونوں تحقیقات ('وجوہ المثانی'، 'مسائل السلوک') مستقل تالیفات–شروع ہی سے ہیں۔ وہ نہ قرآن کریم کی تفسیر ہیں، نہ تفسیر پر مبنی اِفادہ۔

۲– جب تسہیل نگاری میں اعتبار زائل ہو گیا اور متن کی حفاظت اور اِستناد کی اہمیت بھی پیشِ نظر نہ رہی، تو یہ بات (حذفِ بامعنی یا حذفِ بے جا یا حذفِ تساہل) نتائج کے اعتبار سے بڑی خطرناک ہے۔ اِس بے احتیاطی کا جو ثمرہ بھی ظاہر ہو اُس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ایک مثال ذکر کی جاتی ہے:

سورہ بقرہ کے اِختتام پر ہے: ''اب انشاء اللہ تعالیٰ آگے سورہ ال عمران شروع ہوتی ہے اور میرے نزدیک وہ تمام سورت جملہ وَانصُرنَا علی القَومِ الکافِرِینَ سے مرتبط ہے۔ کیوں کہ اُس سورت کے زیادہ اجزاء میں کفار کے ساتھ مجاہدہ باللسان و بالسنان مذکور ہے، جیسا کہ تتبع سے معلوم ہوتا ہے۔'' (بیان القرآن)

یہ سطریں ''آسان بیان القرآن'' میں نہیں لکھی گئیں اور اِس کی طرف اِشارہ کرتے ہو سورہ ال عمران کی ابتدا میں یہ عبارت لکھ دی گئی۔: ''اِس سورت کا پہلی سورت کے ساتھ ربط سورہ بقرہ کے ختم پر گزر چکا۔'' (آسان بیان القرآن ص ۳۰۲)۔ لیکن، عرض کیا گیا کہ نہیں گزرا۔ مطالعہ کرنے والا بے چین ہو کر اگر یہ سوال کرے کہ کہاں گزرا؟ تو اُس کے اِضطراب کا کوئی مداوا نہیں، کیوں کہ سابقہ سورت کے اِختتامی الفاظ زائد سمجھ کر چھوڑ دیے گئے۔ اور چوں کہ زائد سمجھنے کا قرینہ وہاں موجود ہے جس کا اِدراک مقام کو ملاحظہ کرنے سے ہو سکتا ہے، اِس لیے یہ 'حسن ظن' قائم کیا گیا کہ ''زائد سمجھ کر چھوڑ دیے گئے۔'' اِس سے معلوم ہوا کہ ربط کی عبارتیں بھی متاثر ہوئی ہیں۔

دیگر مثال یہ ہے کہ ص ۱۳۳ پر لَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ کی جو تفسیر لکھی گئی ہے، اُس میں ابتدائی دو سطریں 'ربط' کی ہیں جسے تفسیر کے ساتھ خلط کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح ص ۲۱۰ کا اِختتام، ۲۱۱ کی ابتدا ملاحظہ فرمایا جائے کہ مضمون کا ربط نہ یہاں ہے، نہ آئندہ۔ پھر یہ ''ربط'' کا قصہ بڑا دردناک ہے۔ اور نہ صرف ربط؛ بلکہ 'ترجمہ تفسیری'، 'فائدہ تفسیری' ہر ایک کے تسہیلی لبس کا قصہ نہایت المناک ہے۔

ایک مثال 'ترجمہ تفسیری' کی ذکر کی جاتی ہے (جس کی جانب مفسر تھانویؒ 'فائدہ تفسیری' میں 'اثنائے ترجمہ' یا 'ترجمہ' کہہ کر حوالہ دیتے ہیں، اور جسے تسہیل نگار کبھی تفسیر کے عنوان سے پیش کر دیتے ہیں اور کبھی فائدہ کے۔):

۱۸-الف- ''لیکن مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہے جیسا احقر نے اثنائے ترجمہ میں ظاہر بھی کر دیا ہے''-ع- ''البتہ پھر بھی مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہوگا جیسا کہ احقر نے ترجمہ کے درمیان میں ظاہر بھی کر دیا ہے''۔ (ایضاً ص ۲۳۴، سطر: ۱۳)

عرض راقم- آسان مطالعہ کا خوگر ''ترجمہ کے درمیان میں'' کے الفاظ ڈھونڈ ہی نہیں سکتا، کیوں کہ تسہیل نگار نے اپنے مجموعہ تسہیل میں ترجمہ کا جو عنوان قائم کیا ہے اُس کی تمام سطروں کے درمیان یہ وضاحت موجود نہیں ہے۔ ڈھونڈنے سے تو وہ چیز ملے گی جو موجود ہو اور جو موجود ہی نہ ہو وہ کہاں سے ملے گی؟ یہاں تماشہ یہ ہے کہ کچھ تو الفاظ کی تبدیلی، کچھ صحیح نشاندہی میں بے احتیاطی اور کچھ لبس و خلط، اِن سب کے نتیجہ میں قاری کے لیے مرجع و مشار الیہ کی طرف رجوع کر پانے میں بے بسی ہے۔ درحقیقت اثنائے ترجمہ میں حکیم الامتؒ نے یہ ظاہر فرمایا ہے: ''بہ شرطیکہ مہر سے زیادہ نہ ہو''۔ تسہیل نگار نے نہ تو اثنائے ترجمہ کی حقیقت و موقع بتایا اور نہ ہی مشار الیہا (الفاظ) کی نشاندہی کی۔

۳- اصطلاحات کو عوامی ترجمہ سے بچایا گیا ہے یا نہیں؟

۱- الف- ''اِس سے اخلاط میں تعفن اور تبخیر پیدا ہو جائے''۔ **ع-** ''اِس سے اخلاط میں تعطل اور تبخیر (گیس) پیدا ہو جائے'' (ایضاً ص ۲۸۴ سطر: ۱)۔

عرض راقم- ''تبخیر کے لیے 'گیس' کی تعبیر سست ہے؛ بلکہ یہ طب کی اصطلاح ہے جس میں مواد کا اِحتقان اور اِستحصاف پایا جاتا ہے، خواہ وہ مواد ریاحی ہوں یا خلطی۔ اور تعفن کو 'تعطل' نہیں کہتے۔ بلکہ یہ بھی ایک اصطلاح ہے، یعنی اخلاط و رطوبات کا ایسا فساد جس سے موادِ طبیعہ اور اخلاطِ صالحہ بگڑ کر ایسی حالت اختیار کر لیں جس سے وہ بدن کے کام کے نہ رہ جائیں اور اُن سے طرح طرح کے امراض و اعراض پیدا ہونے لگیں، ''تعفن'' کہلاتا ہے جو طب میں امراضِ خلطیہ متعدیہ کا سببِ واصل (Exciting factor) ہے، اُس کا مترادف 'تعطل' نہیں ہے۔

۲- الف- ''ریاح متعفنہ''۔ ع- ''تعفن پھیلانے والی۔'' (ایضاً ص ۲۸۴ سطر: ۲)

عرض راقم- خود متعفن۔ تعفن پھیلانے والی کے لیے لفظ ''معفنہ'' استعمال ہوتا ہے، نہ کہ ''متعفنہ''۔

الف- ''موادِ بخاریہ''۔ **ع-** ''بخار کے مادوں'' (ایضاً ص ۲۸۴ سطر: ۳)۔

عرض راقم- فضا میں پائے جانے والے ریحی اور ہوائی اجزا پر مشتمل ابخرے مراد ہیں۔ 'بخار' سے ذہن 'حمی' کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

۳- الف- ''بالضرورت''۔ **ع-** ''ضرورت کے تحت'' (ایضاً ص ۱۲۹ سطر: ۳)

عرض راقم- ''بالضرورت'' سے مراد قضیہ ضروریہ مطلقہ ہے، جس کی ماہیت حسبِ بیانِ حکیم

الامت: ''سلبِ اِمکان عن الجانب المخالف'' ہے۔اس کی تعبیر کے لیے ''ضرورت کے تحت'' کا عامی محاورہ درست نہیں۔ جس موقع پر یہ ترجمہ کیا گیا ہے، وہ موقع نازک بھی ہے، سنگین بھی۔

۴-الف- ''یہ صفات علی سبیلِ منع الخلو موجود ہیں''۔ ع- ''یہ صفات اِس طرح موجود ہیں کہ کبھی دور ہو ہی نہیں سکتیں۔'' (آسان بیان القرآن ص ۲۱۹)۔

عرض راقم- یہ تعبیر بالکل غلط اور لفظ و معنی دونوں میں تحریف ہے۔

۴- ''تسہیل تحریف و تبدیل'' ہوئی ہے یا نہیں

اِس کا جواب بھی سطورِ بالا میں مِل چکا ہے۔لیکن اِس مستقل عنوان کے تحت بھی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱-الف- ''حکمت تعیین قبلہ میں ، مثلاً اِتفاقِ ہیئت و اِجتماعِ خاطرِ عابدین ہے''۔**ع-** ''عبادت کرنے والوں کا اتفاق، ہیئت اور اِجتماعِ خاطر''۔

عرض راقم- عبارت کا صحیح مطلب یہ ہے: عابدین کی اجتماعی ہیئت اور جمعیتِ قلب۔ تسہیل شدہ عبارت سے دو خرابیاں پیدا ہوئیں: ۱-خلطِ مراد۔۲-آگے آنے والی عبارت کے معنی و مصداق میں التباس کی راہ ہموار ہونا۔ملاحظہ ہو: مفسر تھانویؒ آگے فرماتے ہیں: ''احقر نے قبلہ کی تعیین کی جو ایک خاص حکمت مثال کے طور پر بیان کی ہے'' الخ۔ یہاں اگر کوئی شخص ''خاص حکمت'' کا مطلب ''عبادت کرنے والوں کا اِتفاق'' سمجھ لے، تو یہ اُس کی خطا نہیں، تسہیل نگار نے تحریفِ معنوی کے ذریعہ یہی راہ دکھائی ہے۔

۲-الف- ''اگر...... قصور مرد کا ہے، تو خلع کا مال مطلقاً لینے سے مرد گنہ گار ہوگا''۔ع- ''اگر...... قصور مرد کا ہے، تو خلع کا مال لینے سے مطلقاً مرد گنہ گار ہوگا''۔

عرض راقم- "مفسر تھانویؒ نے یہ مضمون ذکر کیا ہے کہ "اگر...... قصور مرد کا ہے، تو خلع کا مال مطلقاً لینے سے (خواہ مہر کی مقدار سے کم لے یا زیادہ۔ف) مرد گنہ گار ہوگا"۔ اور تسہیل نگار کی کاوش کے بہ موجب مطلقاً کو 'مال' کے بجائے 'مرد' سے متعلق کر دینے سے یہ معنی پیدا ہو گئے۔ "خلع کا مال مطلقاً لینے سے (خواہ مرد کم عمر ہو یا زیادہ عمر کا ہو۔ف) مرد گنہ گار ہوگا"۔ اور یہ بات غلط اور مضمون مہمل ہے۔

۳-الف- "بس اللہ کے نزدیک (جو قانون ہے اُس کے اعتبار سے) یہ جھوٹے ہیں (مطلب یہ کہ اصل امر نزاہت ہے، جب تک اُس کا یقینی رافع نہ ہو اُسی کا یقین شرعاً واجب ہے۔ لان الیقین لا یزول الا بیقین مثله لا بالشك۔ پس اِس بنا پر نزاہتِ صدیقہ کا یقین اور قذف کے مقابلہ میں اُس یقین کا اِظہار واجب تھا۔ اور یہی یقین ہے جس کا ایسے امور میں عبد مکلّف بنایا گیا ہے، جس کے لیے عدم ثبوت بالدلیل المخالف کافی ہے، نہ یقین باصطلاح اہل المعقول۔ کیوں کہ اس کے لیے ثبوت عدم بالدلیل کی حاجت ہے۔ پس محل اِفک میں قبل نزول آیات کے صرف عدم ثبوت بالدلیل تھا اور بعد [نزولِ:ف] آیات کے البتہ، ثبوت عدم بالدلیل متحقق ہو گیا۔ پس اُس وقت یقین اِستصحاب کافی تھا، جس کو اللہ تعالی نے ظن سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور عدم ثبوت بالدلیل کو جو کہ اِس یقین کا مبنی ہے ﴿لولا جاءُوا﴾ الخ میں بیان فرمایا ہے، اُس وقت یقین اصطلاحی کا مکلّف نہیں فرمایا تھا۔ البتہ اب بعد نزولِ آیات- چوں کہ اس یقین اصطلاحی کا مبنی، کہ ثبوتِ عدم بالدلیل ہے پایا گیا، اب- اِس کا بھی مکلف ہے اور اس کا ترک یعنی احتمال رجوع بھی کفر ہے۔ اور اب اِس آیت پر یہ اِشکال بھی نہ رہا کہ عدمِ ایتان بالشھداء مستلزم کذبِ قاذف کو اور مورث تحقق نزاہت کو کیسے ہوا؟ اور یہ شبہہ بھی نہ رہا کہ بعض

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد تھا؛ چناں چہ صدیقہ سے فرمایا تھا کہ اگر کوئی لغزش ہوگئی ہو تو توبہ کرلینا چاہیے، رواہ البخاری۔ اور آیت سے وجوبِ یقین، نزاہت کا معلوم ہوتا ہے، پھر تردد میں ترکِ واجب معصوم سے لازم آیا۔ سو وجہِ دفع ظاہر ہے کہ یہ تردد منافی یقین شرعی مذکور کے نہیں ہے؛ چناں چہ اِس یقین کو آپ نے خود اِن الفاظ سے ظاہر فرمایا تھا: ما علمت علی اھلی الا خیرا، رواہ البخاری۔ [یہ یقینِ شرعی: ف] البتہ، یقین اصطلاحی اہل معقول کے منافی ہے۔ سو اِس [یقینِ شرعی: ف] کا وجوب نزولِ آیات کے قبل ہوا نہ تھا، جیسا اب بعد نزولِ آیات کے ہوگیا۔" [اور یہ یقین اصطلاح اہل معقول کے بھی موافق ہوگیا: ف]

ع۔ "بس اللہ کے نزدیک (جو قانون ہے اُس کے اعتبار سے) یہ جھوٹے ہیں (مطلب یہ کہ اصل امر پاکی اور پاک دامنی ہے، جب تک اُس کا دور ہونا [۱] یقینی نہ ہو شرعی طور پر اُس [☆] کا یقین واجب ہے۔ اس لیے کہ اصول ہے: الیقین لا یزول اِلا بیقین مثلہ لا بشک۔ یعنی یقینی اسی درجہ کے یقین سے دور ہوسکتا ہے، محض شک کی وجہ سے دور نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اِس بنیاد پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی کا یقین اور تہمت کے مقابلہ میں اس یقین کا اِظہار واجب تھا۔ اور یہی یقین ہے جس کا ایسے امور میں بندہ کو مکلّف بنایا گیا ہے، جس کے لیے مخالف دلیل سے نہ ثابت ہونا کافی ہے، نہ کہ معقولیت پسندوں [۲] کی اصطلاح والا یقین، کیوں کہ اس کے لیے دلیل سے عدم ثبوت [۳] ضروری ہے۔ پس محل اِفک میں آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے صرف دلیل سے نہ ثابت ہونا تھا [☆☆] اور آیتوں کے نازل ہونے کے بعد یقینی طور پر دلیل سے عدم ثبوت [۳] کی تحقیق [☆☆☆] ہوگئی، لہٰذا اس وقت یقین اِستصحاب [۴] کافی تھا،

جس کو اللہ تعالیٰ نے ظن سے تعبیر فرمایا ہے[۵] اور دلیل سے عدم ثبوت کو جو کہ اِس یقین [۶] کی بنیاد ہے ﴿لَوْ لَا جَآءُوْ ﴾[۵] الخ...... میں بیان فرمایا ہے، اس وقت [۴] اصطلاحی یقین [۲] کا مکلّف نہیں فرمایا تھا۔ البتہ اب اِن آیتوں کے نازل ہونے کے بعد چوں کہ اس اصطلاحی یقین [۲] کی بنیاد جو کہ ثبوت عدم بالدلیل ہے، پایا گیا، اب اِس [۲] کا بھی مکلّف ہے اور اس کو چھوڑنا یعنی راجح [۷] ہونے کا احتمال بھی کفر ہے۔ اور اب اِس آیت پر یہ اِشکال بھی نہ رہا کہ گواہوں کو نہ لانا تہمت لگانے والے کے جھوٹ کے لیے لازم اور پاک دامنی کی تحقیق [☆☆☆] کا سبب کیسے ہوا۔ اور یہ شبہہ بھی نہ رہا کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد و شک تھا۔ چناں چہ آپ نے حضرت صدیقہ سے فرمایا تھا کہ اگر کوئی لغزش ہوگئی ہو تو توبہ کر لینی چاہیے، جیسا کہ بخاری میں ہے۔ اور آیت سے پاک دامنی کے یقین کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے، پھر شک میں معصوم سے واجب کا ترک کرنا لازم آیا۔ تو اس کے دور ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ شک مذکور شرعی یقین [۳] کے خلاف نہیں ہے۔ [۸] چناں چہ آپ نے اِس یقین [۶] کو ان الفاظ کے ذریعہ ظاہر فرمایا تھا۔ ما علمت علی اھلی الا خیرا ......، جیسا کہ بخاری میں ہے۔ البتہ [۷] معقولیت پسندوں [۲] کے اصطلاحی یقین کے خلاف ہے۔ تو آیتوں کے نازل ہونے سے پہلے یہ (۲) واجب نہیں تھا، جیسا کہ اب آیتوں کے نازل ہونے کے بعد ہو گیا''۔ (آسان بیان القرآن جلد۳: ص۴۸۱، سطر: ۷ تا ۲۴)

عرض راقم۔ متن کے اصل الفاظ اور اُن کی وضاحت جن کی تفہیم میں تسہیل نگار نے فاحش غلطیاں کی ہیں:

[۱]۔ ''یقینی رافع'' کا مطلب یہ ہے کہ دور کرنے والی چیز یقینی۔ نہ یہ کہ دور ہونا یقینی۔

[۲]: ''یقین باصطلاح اہل المعقول'' = یقین کی وہ ماہیت جو عقل کے صحیح اصولوں کے حاملین (اہلِ عقل) کی اصطلاح میں متعین ہے۔ اور وہ یہ ہے: نہ ہونا دلیل سے ثابت ہو جائے۔ ایسی صورت میں ''معقول پسندوں'' کے محاورہ کی پھبتی درست نہیں۔ تبدیل شدہ الفاظ کے مقابلہ میں اصل الفاظ سے ہی مضمون واضح تھا۔ کیوں کہ یقین کے عقلی معنی کوئی گڑھے ہوئے نہیں ہیں کہ اُس کا اعتبار کرنے والوں کو ''معقول پسند'' یعنی مائل بہ وہم ہونے کا طعنہ دیا جائے؛ بلکہ دو اصطلاحیں ہیں:

نمبر۱- اِصطلاح باہلِ عقل۔ **نمبر۲**- اِصطلاح باہلِ شرع۔ اہلِ عقل کی اِصطلاح میں جو ماہیت ہے وہ، وہ اعلیٰ درجہ ہے جسے عقائد کے باب میں شریعت بھی لازم قرار دیتی ہے۔ اسی کو ''یقین اصطلاح اہل معقول'' سے تعبیر کیا گیا ہے؛ لیکن احکام میں یقین کا جو مرتبہ شریعت نے متعین کیا ہے وہی کافی ہے؛ مگر ہیں اپنے اپنے موقع پر دونوں مطلوب۔

[۳]: ثبوت عدم بالدلیل۔ ☆☆ ثبوت عدم بالدلیل کے لیے جو تعبیر اختیار کی گئی، وہ چوں کہ صحیح تعبیر نہیں، اس لیے تسہیل غلط ہے۔ مفسر کی عبارت کا مطلب دلیل سے عدم کا ثبوت ہے، (نہ کہ ثبوت کا عدم)۔ دلیل سے عدم کے ثبوت کی مثال یہ آیتِ قرآنی: بدیع السموات اور یہ حدیث نبوی: کان اللّٰہ ولم یکن معہ شیٔ ہے جو مادہ کے قدیم ہونے کے دعویٰ کے خلاف دی جاتی ہے، یعنی مادہ کے قدیم ہونے کے عدم کے ثبوت دلیل مذکورہ آیت اور حدیث ہیں۔ ☆☆☆ لفظ 'متحقق' ہے۔

[۴]: عدم ثبوت بالدلیل کے وقت استصحابِ حال کا یقین کافی تھا۔

[۵]: لَولا اِذ سَمِعتُمُوہ ظَنَّ المُؤمِنونَ وَ المُؤمِنَاتُ بِاَنفُسِھِم خَیراً وَقَالُوا ھٰذا اِفکٌ مُّبِینٌ: جب تم لوگوں نے [حضرت صدیقہ پر بہتان والی] یہ بات سنی تھی

تو مسلمان مردوں......اور مسلمان عورتوں نے ......اپنے آپس والوں کے ساتھ (یعنی حضرت صدیقہ اور اُن صحابی کے ساتھ دل سے) گمانِ نیک کیوں نہ کیا اور (زبان سے) یوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔[٦]:یقین اِستصحاب۔ [٧]:رجوع۔ [٨]:یعنی یہ تردد نفی اِستصحاب کے منافی نہیں۔

اِن نمونوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا کہ تسہیل تحریف وتبدیل ہوگئی۔

۵-:تسہیل نگار کے جدید ادبی ذوق کا نمونہ

معیارِ اربعہ پر اصل سے ملا کر دیکھنے کی گفتگو ہو چکی۔اب تسہیل نگار کے جدید ادبی ذوق کا بھی نمونہ پیش کر دینا مناسب ہے:

ا-الف- ''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالی بعضے آدمیوں کو (جو کہ مفسد ہوں) بعضوں کے ذریعہ سے (جو کہ مصلح ہوں......)۔**ع-** ''اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالی بعضے لوگوں کو (جو کہ مفسد اور فسادی ہوں) بعض لوگوں کے ذریعہ (جو کہ اصلاح پسند ہوں......)''۔

(آسان بیان القرآن ص ۲۵٦ سطر:١٣)

عرض راقم- ''اصلاح پسند'' ہونا ایک اِصطلاح ہے جو مغربی تصورات کے اثر سے مسلمانوں میں در آئی ہے۔درحقیقت صحیح عقیدہ اور عمل پر قائم رہنے اور دوسروں کے لیے اصلاحی کاوش کرنے والے ''مصلح'' کہلاتے تھے۔اب بھی جو لوگ صحیح عقیدہ اور عمل پر قائم رہ کر دوسروں کے باطل خیالات اور دینِ حق سے منحرف اعمال کی اصلاح کرتے ہیں، وہ ''مصلح'' ہی کہلاتے ہیں۔لیکن ١٩/ویں صدی عیسوی سے تجدد پسندوں کے لیے

محاورہ ''اصلاح پسند'' شروع ہوا ہے۔ اسلام کے عقائد و احکام میں تبدیلی کر کے مغرب کے نظریات کے مطابق کرنا ''اصلاح پسندی'' کہلاتا ہے۔ علامہ رشید رضا، علامہ شبلی کے متعلق لکھتے ہیں: ''وہ عالم بھی ہیں اور اصلاح پسند بھی۔'' نیز لکھتے ہیں: ''دوست شمس العلماء شبلی نعمانی..... مفید کتابوں کے مصنف اور کامل و ماہر اصلاح پسندوں میں تھے۔''

(ظفر احمد صدیقی: ''علامہ شبلی سید رشید رضا کی نظر میں'' بہ حوالہ شبلی نعمانی شخصیت اور عصری معنویت ص ۱۶، ۱۸۔ خیال رہے کہ علامہ رشید رضا کی عبارت تو عربی میں ہوگی، یہ ترجمہ - اپنے دورِ تجددی میں - علامہ سید سلیمان ندوی کیا کیا ہوا ہے۔)

معلوم ہوا کہ قاسم امین، رشید رضا، سرسید اور شبلی تو اصلاح پسند ہیں جو مغربی اثرات کے حامل، دینِ حق کے عقائد و احکام میں بے جا تاویلات کرنے والے اور اصولِ صحیحہ میں مغالطے پیدا کر کے حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر دکھانے کا کارنامہ انجام دیتے رہے ہیں۔ اِن کا کام یہ ہوا کرتا ہے کہ اُن اسلامی حقائق میں جو اہلِ مغرب کو کھٹکتے ہیں تاویلِ باطل سے کام لے کر افکارِ مغرب کے موافق کر کے پیش کریں۔ اس کارنامہ کو یہ ''اصلاح'' کا نام دیتے ہیں۔ یہ روش ''اصلاح پسندی'' کہی جاتی ہے۔ اور ایسے لوگ ''اصلاح پسند'' کہلاتے ہیں؛ لیکن دینی حیثیت سے مصلح کو اِصلاح پسند نہیں کہتے۔

اِس موقع پر دوسری بات یہ خیال کرنے کی ہے کہ: عصرِ جدید میں ''پسندوں'' کا محاورہ کبھی تو اہلِ تجدد کی طرف میلان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ مصلح کے بجائے ''اصلاح پسندوں'' کی متذکرہ بالا مثال میں اِس محاورہ کا اِستعمال۔ اور کہیں مذہب کا دفاع کرنے والوں کی قدیم اصطلاحوں کی تحقیر کے لیے، جیسا کہ ''اہلِ معقول'' کے بجائے ''معقول پسندوں'' کے استعمال کی مثال، ابھی ذرا اوپر گزری۔

۲-''اول اول'' کی جگہ ''ابتدا''۔''(بے جا بے جا)۔درخواستیں'' کی جگہ ''(بے جا) درخواستیں''۔''(ایسی ایسی) درخواستیں کی جا چکی ہیں۔'' سے قوسینی عبارت حذف کر کے اِس طرح لکھنا:''درخواستیں کی جا چکی ہیں۔''(آسان بیان القرآن ص۱۳۳: آخری سطر،:ص۱۲۳:سطر ۲۱،ص۱۲۳:سطر۲۲،ص۱۲۰: آخری سطر)۔

اِن جگہوں سے تکرار ختم کرنا ایسا ہی ہے جیسے اِس شعر میں تکرار باقی نہ رکھنا:

افسانۂ غم سنا کے ٹھہرا ☆ سوتوں کو جگا جگا کے ٹھہرا (شبلی)

۳-''اسی'' کی جگہ ''اِس'' اور ''اِس'' کی جگہ ''اِسی'' (ص۱۴۸:سطر۱۱،۱۵۰آخری سطر۔ سطر ص۱۵۴سطر۵، ص۱۵۷: سطر۱۸، ۲۲۔ص۱۶۰سطر۶، ۷، ص۱۶۱سطر۱۲۔ص۱۶۲:سطر۱۲۔ ص۱۶۵:سطر۱۳، ص۱۷۹:سطر۳، ص۱۸۲:سطر۱۶، ۱۷، ص۲۰۰:سطر۴، ص۲۰۲: سطر۲۰، ص۲۰۴:سطر۱۹، ص۲۰۵:سطر، ۴، ۵، ص۲۰۸:سطر۴، ص۲۱۲:سطر۲، ص۲۲۰:سطر۱۴، ص۲۲۳:سطر۱۷، ۲۳۷، سطر:۱۲، ۲۴۹، سطر:۲، دوجگہ، ص۲۶۴ سطر:۱۔۲۵۸، سطر:۷، ۸۔ص۲۶۷ سطر:۱۷، ص۲۶۹، سطر:۳۔ص۲۷۱ سطر۶، ۸۔۔۲۷۷ سطر۱۳۔۲۷۹، سطر ۴۔۲۸۳سطر:۱،۴ دوجگہ۔ص۲۹۳سطر۱۳)۔تھی، بھی، تھے،(ص۲۵۸،سطر:۷،۸۔)۔

عرض راقم۔مطلب یہ کہ جہاں حصر ہونا چاہیے وہاں اِطلاق ہے، جہاں خصوص ہونا چاہیے وہاں عموم کے معنی پیدا ہو گئے ہیں۔ جہاں حصر نہیں ہے وہاں حصر و تخصیص پیدا ہو گئی، جب کہ بعض جگہ۔مفسر تھانویؒ کے پیشِ نظر۔مضمون میں قوت و زور پیدا کرنا تھا، وہاں یہ مقصود فوت ہو گیا ہے۔ وقس علی ہذا۔

۴-ع-''احقر نے اِسی کو نوعیت کا تفاضل کہا ہے'' (ص۲۳۱:سطر۱۷)

عرض راقم: کہاں؟ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ''تفاضلِ نوعیت'' کے الفاظ کا استعمال گزشتہ فقرہ:''حقوق کے نوع میں اور اُن کے چھوٹے بڑے ہونے میں فرق ہے'' کی طرف معنیً راجع ہے۔ مفسر تھانویؒ کے الفاظ یہ ہیں:''احقر نے تفاضلِ نوعیت اِسی

کو کہا ہے''۔ اِس عبارت سے بادی النظر میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ الفاظ'' تفاضلِ نوعیت'' گزشتہ سطور میں کہیں اِستعمال ہوئے ہیں؛ لیکن جب ڈھونڈا گیا، تو نہیں ملے۔ اس لیے تسہیل نگاری میں اِس بے چینی کو دور کر دینا چاہیے تھا کہ یہاں ''تفاضلِ نوعیت'' سے مراد یہ معنی ہیں نہ کہ الفاظ۔

اختتامیہ- بہ طور نتیجۂ گفتگو کے عرض ہے کہ ماہ نامہ دارالعلوم کے تبصرہ میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ: بیان القرآن'' کلاسیکی ادب کا شاہ کار ہے''۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تسہیل نگار نے بھی بیان القرآن ''کلاسیکل ادب'' ہی کی رو سے خامہ فرسائی کی ہے۔ ''کلاسیکل ادب'' کی حقیقت پر گفتگو کا تو یہ موقع نہیں؛ لیکن اہلِ بصیرت اِس سے خوب واقف ہیں کہ یہ لقب بیان القرآن کی توصیف نہیں ہے اور اِس حیثیت سے کیا گیا کام تفسیرِ تھانوی کے حق میں ناانصافی ہے۔ یہ وہ نقطہ تلبیس ہے جس کی بنا پر اِس عاجز راقم کا تجزیہ یہ ہے کہ ۱۹۰۸ء (تفسیر کے وقتِ تصنیف) سے لے کر ۲۰۱۹ کے درمیان ۱۱۱ سال کے عرصہ میں تفسیر بیان القرآن کے حق میں دو ہی ظلم ہوئے ہیں۔ ایک ڈاکٹر ریحانہ علوی کے ذریعہ جنھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے لکھی گئی تھیسس میں بیان القرآن کو سر سید احمد خاں کی تفسیر القرآن اور جناب ابو الکلام آزاد کی ترجمان القرآن کے ہم پلہ بتایا۔ دوسرا تشکیل جدید کی صورت میں صحافی تسہیل نگار کے ذریعہ کیا گیا یہ کام جس کا نام ''آسان بیان القرآن'' ہے اور جس کے لیے موصوف نے مشہورِ زمانہ ادارہ کے شیخ الحدیث کا اعتبار اپنے حق میں ملتفت کر لینے میں کامیابی حاصل کی۔

فخر الاسلام